پروفیسر ڈاکٹر شہاب الدین ثاقبؔ *

میرؔ کی ریختہ گوئی اور زبانِ میرؔ پر فارسی کا اثر

Abstract: Mir is a renowned Urdu poet. When analysed properly, it is investigated that he was master of *Rekhta* and there was huge influence of Persian in his diction. Mir himself defines *Rekhta* as a poetry written in the language of masses of Delhi but under the heavy influence of Persian. *Rekhta* is an old tradition that dates back to era of Amir Khusro. This art was later mastered by Wali Daccni. However, in the poetry of Mir, we also find its subtle usage and this paper investigates this particular aspect of Mir's poetry.

میرؔ کی ریختہ گوئی اور اس کے زمانۂ آغاز کے سلسلے میں گفتگو سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ریختہ سے متعلق بھی چند باتوں کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ میرؔ نے اپنے تذکرہ "نکات الشعرا" میں خود ہی یہ لکھا ہے:

"۔۔ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بہ زبان اردوے معلیٰ شاہ جہاں آباد۔ ۱"

میرؔ کی بیان کردہ تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ریختہ سے مراد ایسی شاعری ہے جو اہلِ دہلی کی زبان میں ہو اور فارسی آمیز ہو۔ اس کا آغاز امیر خسرو کے ذریعہ ہوا اور دکن میں اس کا طویل عرصے تک رواج رہا لیکن ریختہ گوئی میں ولی دکنی کو جو امتیاز حاصل ہوا وہ دکن کے کسی اور شاعر کو نصیب نہ ہو سکا۔ لفظ ریختہ کو دراصل موسیقی کی ایک اصطلاح قرار دیا جاتا ہے۔ اسی لیے صفدر آہ نے مخدوم علاؤالدین برنائی کی کتاب "تحفۂ چشتیہ" (۱۰۶۵ھ) کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "یہ اصطلاح امیر خسرو کے عہد میں رائج تھی اور اس کے معنی تھے موسیقی کے ایک راگ اور ایک تال میں فارسی اور ہندی کے فقروں کو ترتیب دینا۔"۲ "دانش نامۂ ادب فارسی" میں بھی ریختہ کو فارسی آمیز اردو شاعری کے ساتھ ساتھ موسیقی کی اصطلاح کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"ریختہ: صفت مفعولی از ریختن، بہ معنی رواں شدہ، سرازیر گشتہ و شئ افتادہ است و در اصطلاح ادبی نوعی شعر ملمع از فارسی و ہندی است کہ در شبہ قارۂ ہند و پاکستان سرودہ می شد۔ ریختہ دراصل اصطلاحاتِ موسیقی ہندی بودہ و بہ نغمہ ہایی کہ از آہنگ ایرانی و ہندی یا سرودہ ہا و آوازہایی کہ از اشعار و کلماتِ فارسی و ہندی ترکیب شود، اطلاق می شدہ است۔۔۔ از آن ہنگام کہ امیر خسرو (۶۵۳۔۷۲۵ق) ملمعاتی سرود کہ یک مصرع آن فارسی و مصرع دیگر ہندی بود، شعر ریختہ شکل گرفت و ریختہ اصطلاحی شد برای

* شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ (انڈیا)۔

اشعاری مختلط از واژگان فارسی و ہندی کہ در یک موضوع سرودہ شدہ باشند۔۔۔ در ریختہ ہای نخستین آمیزش واژگان ہندی کم تر بود۔ حتیٰ گاہی در یک بیت کامل، تنہا یک واژۂ ہندی یافت می شود کہ آن ہم در قافیہ می آمد۔ سرایش این گونہ اشعار نخست بہ سبب تفنن و ظرافت آغاز شد، اما رفتہ رفتہ باہدف جدی و مہم تری سرودہ شدند و بعدہا شعر اردو بر ہمین اساس ساختہ شد۔"۳

میرؔ نے اسی ریختہ گوئی کے فن میں ایسا کمال حاصل کیا کہ غالب جیسا بڑا شاعر بھی ان کی عظمت کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا :

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

اور میرؔ کو ریختہ گوئی پر جو دسترس حاصل تھی اس کا ذکر وہ خود بھی بار بار فخر و مباہات کے ساتھ کرتے ہیں مثلاً :

گفتگو ریختے میں ہم سے نہ کر		یہ ہماری زبان ہے پیارے (دیوان اوّل۔ ص:۳۷۸)
دل کس طرح نہ کھینچیں اشعار ریختے کے		بہتر کیا ہے میں نے اس عیب کو ہنر سے (دیوان اوّل۔ ص:۳۸۹)
ریختہ رتبے کو پہنچایا ہوا اس کا ہے		معتقد کون نہیں میرؔ کی استادی کا (دیوان اوّل۔ ص:۲۳۲)
ریختہ کاہے کو تھا اس رتبۂ اعلا میں میر		جو زمیں نکلی اسے تا آسماں میں لے گیا (دیوان سوم۔ ص:۵۷۵)
ریختہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کرو		چاہیے اہلِ سخن میر کو استاد کریں (دیوان اوّل۔ ص:۳۰۰)

میرؔ نے غالباً ۱۱۵۲ھ سے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر گوئی کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور سعادت امروہوی کے مشورے پر ۱۱۵۴ھ سے صرف ریختہ گوئی پر مائل ہوئے، شعر کہے اور دیوان تیار کیے۔

میرؔ کو "خداے سخن" کہا گیا ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کی اہم اور مروجہ اصناف مثلاً غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، نعت، منقبت، سلام، قطعہ، رباعی، رباعیِ مستزاد، ہجویات، واسوخت، مخمس، ترکیب بند وغیرہ میں دادِ سخن دی ہے لیکن ان کا تخلیقی جوہر سب سے زیادہ ان کی غزلوں میں نمایاں ہے۔ لہجے کا دھیما پن، سوز و گداز اور سہل ممتنع ان کی غزلوں کے نمایاں اوصاف ہیں۔ غالباً اسی بنا پر انھیں غزل گوئی کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ غمِ جاناں اور غمِ دوراں دونوں کی ترجمانی میر نے بڑے موثر پیرایے میں کی ہے۔ ان کے بہتّر نشتر مشہور ہیں اور ان کی شاعری کو دل اور دلّی کا مرثیہ بھی قرار دیا گیا۔

نج و غم کی تصویریں ان کے کلام میں جابجا نظر آتی ہیں اسی لیے میرؔ کو قنوطی شاعر بھی کہا جانے لگا لیکن سچی بات یہ ہے کہ میرؔ قنوطی نہیں ہیں بلکہ رو دھو لینے کے بعد ان کی شاعری میں نامساعد حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ بھی ملتا ہے۔ وہ غمِ عشق اور غمِ روزگار دونوں کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ اس لحاظ سے انھیں ضبطِ غم کا شاعر کہا جائے تو بجا ہے۔ دردناک بات بھی وہ پُر سکون لہجے میں کہتے ہیں مثلاً:

دھوتے ہیں اشکِ خونی سے دست و دہن کو میرؔ
طورِ نماز کیا ہے جو یہ ہے وضو کی طرح

ان کی غزلوں میں موضوعات کا تنوع، رنگا رنگی اور حسنِ بیان کی کیفیت جابجا دیکھنے کو ملتی ہے۔ میرؔ کی شاعری پر محمد حسین آزاد (''آبِ حیات''۔۱۸۸۰ء) سے لے کر شمس الرحمن فاروقی (''شعر شور انگیز'' جلد اوّل تا چہارم۔۱۹۸۰ء) تک بہت سے نقادوں نے تفصیل سے لکھا ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

میرؔ کی ریختہ گوئی پر فارسی کے اثرات کا جہاں تک معاملہ ہے تو اس سلسلے میں ان کے اسلوبِ سخن کے ساتھ ساتھ ان کے کچھ موضوعات و مضامین کو بھی اگر ہم پیش نگاہ رکھیں تو آسانی ہو گی۔ اس ضمن میں قاضی عبدالودود کا یہ تبصرہ بھی اہمیت سے خالی نہیں ہے:

'' میر کی فارسی کتابوں میں جو مفردات و مرکبات ملتے ہیں، ان میں سے بہتیرے کلیاتِ اردو میں بھی مستعمل ہوئے ہیں۔ ان کا اردو کلام اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی نظم و نثر فارسی کا مطالعہ غائر نظر سے کیا جائے۔''۱۶

میرؔ نے ''نکات الشعرا'' میں ریختہ کی چھ اقسام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:''۔۔اوّل آں کہ یک مصرعش فارسی و یک ہندی۔۔۔'' اور اس نوع کی مثالیں کلامِ میر میں جس کثرت سے ملتی ہیں ان سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فارسی کا کتنا اثر ان کی اردو شاعری میں موجود ہے۔ میرؔ کے درج ذیل اشعار کے خط کشیدہ مصرعے دیکھیے :

داغِ فراق و حسرتِ وصل آرزوے شوق		میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لے گیا (دیوانِ اوّل۔ ص:۱۹۵)
چشم و ابرو، ناز و خوبی، زلف و کاکل، خال و خط		دیکھیے کیا ہو بلائیں اتنی ہیں دل ایک ہے (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۷۱)
مشفق ملا ذو قبلہ کعبہ خدا پیمبر		جس خط میں شوق سے میں کیا کیا اسے لکھا ہے
تاثیرِ عشق دیکھو وہ نامہ واں پہنچ کر		جوں کاغذِ ہوائی ہرسو اڑا پھرا ہے (دیوانِ دوم۔ ص:۵۶۰)

حور و قصور و غلماں نہر و نعیم و جنت		یہ کلہم جہنم مشتاقِ یار ہیں ہم (دیوانِ سوم۔ ص:۶۱۴)
ہمارے آگے چمن سے گئی بہار دریغ		دریغ و درد و صد افسوس صدہزار دریغ (دیوانِ چہارم۔ ص:۶۹۶)
جوں طفل شوخ و شنگ و جوانِ بلند طبع		شائستۂ فلک ہے اگر چرخ پیر ہے (دیوانِ پنجم۔ ص:۸۱۳)
بوے گل و نواے خوشِ عندلیب میر		آئی چلی گئی یہی کچھ تھی وفاے گل (دیوانِ چہارم۔ ص:۷۰۰)
بہ آں شہید کہ تشنہ لب و شکستہ دل		موا ہے دشتِ بلا میں ہیں اب تلک آثار (در مدح حضرت امام حسین۔ کلیاتِ میر، ج :۲، ص:۱۵۱)
فلک شکوہ و ستارہ حشم حذیو جہاں		ترے جلال کو کن لفظوں میں کروں تعبیر (کلیات، ج:۲۔ ص:۱۵۸)

محولہ بالا کی طرح کئی اشعار میں زیادہ تر فارسی مصرعے ایسے ہیں جو اپنی بے ساختگی، روانی اور فطری انداز بیان کی بدولت اردو مصرعوں کے ساتھ اس طرح شیر وشکر ہوگئے ہیں کہ تکلف اور تصنع یا آورد کا انداز شاید ہی کہیں دکھائی دے۔ میرؔ کا یہ "ریختہ" امیر خسرو سے بہت آگے نکل گیا ہے۔

میرؔ کے بقول ریختے کی دوسری قسم وہ ہے جس میں نصف مصرع ہندی اور نصف فارسی ہو اور اس کی مثال میرؔ نے معز فطرت موسوی کے درج ذیل شعر کے ذریعہ پیش کی ہے:

از زلفِ سیاہِ تو بدل دھوم پڑی ہے
درخانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے[۱۷]

لیکن کلام میرؔ کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ مرزا معز فطرت موسوی سے زیادہ عمدہ اور برجستہ مثالیں میرؔ کے یہاں خود ہی موجود ہیں مثلاً:

فلک نے آہ تری رہ میں ہم کو پیدا کر		برنگِ سبزۂ نورستہ پائمال کیا (دیوانِ اوّل۔ ص:۱۸۵)
مانند شمع مجلس شب اشکبار پایا		القصہ میرؔ کو ہم بے اختیار پایا (دیوانِ اوّل۔ ص:۱۹۱)

ہوا ہوں فرطِ اذیت سے میں تو سن اے میرؔ		تمیزِ رنج و خیالِ نشاط مجھ کو نہیں (دیوانِ سوم۔ ص:۶۲۴)
خاشاک و خار و خس کو کر ایک جا جلایا		کیا چشم شور برقِ خاطف تھی آشیاں پر (دیوانِ پنجم۔ ص:۷۶۳)
حالِ بدگفتنی نہیں میرا		تم نے پوچھا تو مہربانی کی (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۴۶)
صد حرف زیرِخاک تہِ دل چلے گئے		مہلت نہ دی اجل نے ہمیں ایک بات کی (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۵۰)
کیا میر دل شکستہ بھی وحشی مثال تھا		دنبالہ گردِ چشم سیاہِ غزال تھا (دیوانِ سوم۔ ص:۳۸۸)
ثباتِ قصر و درو بام و خشت و گل کتنا		عمارتِ دلِ درویش کی رکھو بنیاد (دیوانِ سوم۔ ص:۶۰۰)
منفعل ہیں لالہ و شمع و چراغ		ہم نے بھی کیا عاشقی میں کھائے داغ (دیوانِ سوم۔ ص:۶۰۸)
آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم		یک شعلہ برقِ خرمنِ صد کوہِ طور تھا (دیوانِ اوّل۔ ص:۱۸۳)

مذکورہ بالا مثالوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ میرؔ کے یہاں ایسے اشعار خاصی تعداد میں ہیں جن میں نصف مصرعہ ہندی اور نصف یا کہیں کہیں نصف سے بھی زاید مصرع فارسی نما ہے۔ محولہ بالا مثالوں میں موخرالذکر شعر کو ہی لے لیجیے۔ اس کا مصرعِ ثانی ''یک شعلہ برقِ خرمنِ صد کوہِ طور تھا'' صرف لفظ ''تھا'' کی بنا پر اردو کا مصرع بن گیا ہے ورنہ اگر ''تھا'' کی جگہ اس کا ہم وزن لفظ ''بود'' رکھ دیا جائے تو یہ فارسی کا مصرع بن جائے گا۔ اسی طرح اوپر کی مثالوں میں ہی درج کیے گئے یہ مصرعے بھی دیکھیے جنھیں کتنی آسانی سے ہم فارسی مصرعوں میں تبدیل کرسکتے ہیں۔ سطورِ ذیل میں داہنی طرف میرؔ کے مصرعے درج ہیں اور ان کے متوازی بائیں طرف ہم نے میرؔ کے مصرعوں کو محض ایک یا دو لفظ کی تبدیلی کے ذریعہ فارسی کے قالب میں ڈھال کر قوسین ( ) میں رکھا ہے:

نالۂ عجز نقصِ الفت ہے		(نالۂ عجز نقصِ الفت است)
رنج و محنت کمالِ راحت ہے		(رنج و محنت کمالِ راحت است)

دلِ آزردہ گر سلامت ہے		(دلِ آزردہ گر سلامت است)	
گرمیِ عشق مانع نشو و نما ہوئی		(گرمیِ عشق مانع نشو و نما شود)	

میرؔ کا دعویٰ ہے کی ریختہ کہ چوتھی اور بالخصوص چھٹی اقسام انھوں نے اختیار کی ہیں یعنی :

(الف) فارسی کی وہ تراکیب جو زبانِ ریختہ کے لیے موزوں اور مناسب تھیں، انھیں اپنی شاعری میں استعمال کیا۔

(ب) ریختے کا وہ انداز جو تمام صنعتوں (تجنیس، ترصیع، تشبیہ) اور صفائیِ گفتگو، فصاحت و بلاغت، ادابندی اور خیال وغیرہ پر مشتمل رہاہے، اسے اختیار کیا۔

اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ میرؔ نے فارسی الفاظ و تراکیب کو لطیف پیرایے میں بکثرت استعمال کیاہے۔ اسی کے ساتھ ان کی اردو شاعری میں مضمون کی صفائی، طرز بیان کی دل کشی اور فصاحت و بلاغت کا جو کمال دکھائی دیتاہے وہ فارسی کے ذخیرۂ الفاظ پر ان کی غیر معمولی دسترس اور اس کے تخلیقی استعمال کا نتیجہ ہے۔ ریختے کی مذکورہ دونوں اقسام (چہارم و ششم) کو سلیقے سے برتنے سے متعلق میرؔ کا دعویٰ کچھ غلط نہیں ہے۔ کلام میر کے اسلوب کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے بھی یہ واضح کیاہے کہ:

> ”۔۔۔ میر کے دواوین میں ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں جن میں فارسیت اور بول چال کے انداز میں خوش امتزاجی کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے یعنی ان میں میر کی خوش ترکیبی ریختے کی صرفی و نحوی ساختوں سے ایسی گھل مل گئی ہے کہ شعر کی حسن کاری اور تہہ داری کا بڑا انحصار اسی لسانی خوش امتزاجی پر ہے۔ اگرچہ استثنائی صورتیں مل جائیں گی تاہم میر کو جہاں جہاں ٹھیس لگی اور وہ آبلے کی طرح پھوٹ بہے ہیں انھوں نے سادہ ایمائی لہجہ اختیار کیا لیکن جہاں انکشافِ ذات کی صورت پیدا ہوئی ہے یا ماہیتِ عالم پر غور کیاہے یا ذات و کائنات کا فشار محسوس ہواہے یا حیرت و استعجاب کے عالم میں ڈوب گئے ہیں وہاں اکثر و بیشتر فارسی آمیز پراکرتی امتزاجی پیرایے سے اظہار کا حق ادا ہواہے۔“۱۸؎

دلّی کی ٹکسالی زبان اور عوامی بول چال کا اثر میر کے کلام پر خواہ جتنا بھی ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ فارسی تراکیب کا اس کثرت سے استعمال اس سے قبل کی اردو شاعری میں شاید ہی مل سکے گا۔ میرؔ کا کمال ان تراکیب کے برمحل اور بے ساختہ استعمال میں پوشیدہ ہے۔ اگر ان کے پورے کلیات سے صرف فارسی تراکیب کو ہی نشان زد کر دیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو سکتاہے۔ سطورِ ذیل میں ان تراکیب کی مختصراً نشان دہی کی جاتی ہے :

آبِ گرم، آب و ہوائے ملکِ عشق، آبلۂ پا، آبِ چشم، آتش بجاں، آتشِ تیز، آتشِ جاں سوز، آتشِ دل، آتشِ سوزانِ عشق، آتشِ غم، آتشِ گل، آتشِ ہجراں، آرزوے جہان، آرزوے محال، آزارِ محبت، آسودگانِ خاک، آشفتگیِ طبع، آشفتہ سری، آشوبِ آسماں،

آفتِ دلِ عاشقاں، آفتِ زمانہ، آفتابِ طلعت، آمیزشِ بے جا، آوار گانِ عشق، آوارۂ عالم، آوارۂ لیلیٰ، آوازِ دل خراش، آہوانِ دشت، آہوے رم خوردہ، آہِ جگر تفتہ گاں، آہِ سحر، آہِ سرد، آہِ شرربار، آہِ صبح گاہی، ابتداے عشق، ابروے تیغ زن، ابرِ بہار، ابرِ خشک، اخوانِ زماں، اسبابِ سفر، اسبابِ صد الم، اسیرِ تہِ دام، اسیرِ خستہ جگر، اسیرِ خوش زباں، اسیرانِ بلا، اشکِ حسرت، اشکِ حنائی، اشکِ خونیں، اشکِ دمادم، اشکِ سرخ، اشکِ شوق، اغیارِ روسیاہ، افراطِ گریہ، افسانۂ محبت، اقلیمِ عاشقی، الفتِ خوبِ دگر، امتدادِ مدتِ ہجراں، اندوہِ وصل و سحر، اہلِ دل، اہلِ سخن، اہلِ نظر، ایامِ بہاراں، بادِ صبح گاہی، بارِ گریباں جہاں، باعثِ ایذا، باعثِ آشفتگیِ طبعِ جہاں، باعثِ سودا، باغِ تازہ، باغِ خزاں دیدہ، باغِ زمانہ، بالاے خم، بتانِ حشر خرام، بحرِ موج خیز، بختِ تیرہ، بختِ خفتہ، بختِ سبز، برقِ خرمنِ گل، برگِ خزاں، برنگِ ابرِ عرق ناک، برنگِ صوحِ تس، برنگِ ابرِ عرق ناک، برنگِ سبزۂ نورستہ، بزمِ خوشِ جہاں، بزمِ خوش، بزمِ عشرت، بزمِ عیش، بسانِ شمع، بسیاریِ الم، بناے ہستی، بندِ قبا، بودِ آدم، بوے خوں، بوے کبابِ سوختہ، بوے گل، بہارِ رفتہ، بہارِ گریباں، بہ تیغِ ستم، بیتابیِ دل، بیدِ مجنوں، بیضۂ فولاد، بیمارِ محبت، بیمارِ اجل، بے خودانِ محفلِ تصویر، بے قرارِ گریۂ خونیں، پارۂ دل، پاسِ ناموسِ عشق، پاسِ ناموسِ محبت، پامالِ راہِ خلق، پائمالِ صد جفا، پاے پُر آبلہ، پرتوِ مہتاب، پردۂ مینا، پسِ دیوارِ گلشن، پشتِ پا، پشتِ لب، پنجۂ خورشید، پنجۂ مژہ، پیرہنِ غنچہ، پیش کشِ سادۂ خود کام، پیکانِ خذنگ، تابِ تعب، تار تارِ گریباں، تارِ زلف، تارِ گریباں، تائیدِ دورِ جام، تخمِ سوختہ، تخمِ خواہش، تخمِ محبت، ترکِ گردشِ ایام، تسلیمِ محبت، تشنۂ خوں، تکلیفِ باغ، تنِ نازک، توشۂ آخرت، تہِ خاک، تیرِ ستم، تیغِ بکف، تیغِ عریاں، تیغِ تیز، تیغِ جفاے خوباں، تیغِ زبان تیغِ کشیدہ کف، تیغِ کشیدہ، تیغِ ناز، جادۂ صحرا، جامۂ احرامِ زاہد، جامۂ ہستیِ عشق، جانبِ فریادِ بلبل، جانِ رفتہ، جانِ محزوں، جاے خوب، جذبِ الفت، جراحتِ نوکار، جریدۂ عالم، جگر خامہ، جگرِ لخت لخت، جگرِ نیاز منداں، جلوہ گہِ یار، جلوۂ ماہِ تہِ ابر، جنبشِ لب، جنسِ ناروا، جوانِ سیہ پوش، جوشِ بہار، چادرِ مہتاب، چارۂ عشق، چاکِ جگر، چاکِ قفس، چراغِ زیرِ داماں، چراغِ وقف، چرخِ ہفتمیں، چشمکِ پیالہ، چشمکِ گل، چشمِ پرخوں، چشمِ پُر آب، چشمِ تر، چشمِ خوں بستہ، چشمِ سفید، چشمِ سخن گو، چشمِ سیاہ، چشمِ صد خوباں، چشمِ صد غزالاں، چشمِ طمع، چشمِ عبرت، چشمِ کم، چشمِ گریاں، چشمِ گریہ ناک، چشمِ مشتاق، چشمِ مے گوں، چشمِ نگراں، چشمِ نم رسیدہ، چشمِ وفا، حاصلِ دو جہان، حالِ بد، حالِ خرابِ مجلس، حجابِ رخِ دلدار، حرفِ تلخ، حرفِ دل نشیں، حرفِ شگونِ وصلِ یار، حرفِ شوق، حرفِ غم، حریفِ اندوہِ بے کساں، حریفِ بے جگر، حریفِ نبرد، حسرتِ کشتۂ سر در گریباں، حسرتِ دیدار، حسرتِ وصل، حشرِ دگر، حلقۂ مستاں، حلقِ بریدہ، حیرانیِ دیدار، خارِ خشک، خاطرِ دل گیر، خاطرِ نازک، خاک افتادۂ ویرانہ، خاکِ آدم، خاکِ پا، خاکِ زیرِ پا، خاکِ سرِ راہ، خانۂ زنبور، خانۂ زنجیر سازاں، خانۂ عاشقاں، خدمتِ بادہ گساراں، خراباتِ نشیں، خراشِ جبیں، خرامِ ناز، خرمنِ گل، خسانِ جہاں، خشتِ سرِ پیرِ مے فروش، خطِ تقدیر، خطرِ راہِ محبت، خطرِ راہِ وفا، خلعِ بدن، خلوتِ رازِ نہاں، خنجرِ بکف، خنجرِ بیداد، خندۂ دنداں نما، خندۂ ساغر، خندۂ صبحِ چمن، خوابِ غفلت، خوابِ یاراں، خوانِ فلک، خواہشِ جانِ شاد، خواہشِ دل، خوبانِ بد معاملہ، خورشیدِ خاوری، خورشیدِ صبح، خوش قداں، خونِ خفتہ، خونِ خوابیدۂ عشاق، خونِ ناب، خیالِ رخِ دوست، خیالِ زلفِ سیہِ جفا شعاراں، خیالِ مفلس، داخلِ خرامِ ادب، داغِ جدائی، داغِ خوں، داغِ فراق، داغِ گلستان، دامانِ کوہ، دامانِ گل،

دامنِ دیدۂ گریاں، دامنِ گلچینِ چمن، دانۂ اشک، دختِ تاک، دردِ الفت، دردِ شانہ، دردمندِ عشق، دریاے خوبی، دستِ بلبل، دستِ سبو، دستِ صیاد، دستِ طلب، دستِ قدرت، دستِ کوتاہ، دستِ گل فروشاں، دستۂ داغ، دستِ کوتاہ، دشتِ جنوں، دشتِ خوف ناک، دشتِ شوق، دشتِ غم، دشتِ محبت، دعواے عندلیب، دعویِ خوش دہنی، دفترِ داغ، دفترِ قیس، دل پُرخوں، دلبر یگانہ، دلِ آرمیدہ، دلِ بے قرار، دلِ پُر آرزو، دلِ چاک چاک، دلِ حزیں، دلِ خانہ خراب، دلِ داغ دار، دلِ زار ونزار، دلِ زخم خوردہ، دلِ ستم زدہ، دلِ سوزاں، دلِ شاد، دلِ شب، دلِ صد چاک، دلِ غفراں پناہ، دلِ گرمِ محبت، دلِ گم کردہ، دلِ ناشاد، دلِ ناصور، دماغِ عشق، دماغِ گفتگو، دماغِ نالہ، دمِ باز پسیں، دمِ خندہ، دمِ شمشیر، دمِ صبح، دمِ واپسیں، دودِ دل، دورِ سبو، دوشِ ہوا، دولتِ حسن، دہانِ زخمِ دل، دہنِ تنگ، دیارِ حسن، دیدۂ اشک افشاں، دیدۂ بیدار، دیدۂ بے اختیار، دیدۂ بے نور، دیدۂ پر خشم، دیدۂ تر، دیدۂ حیرانِ تماشائی، دیدۂ حیران، دیدۂ خونبار، دیدۂ نم دیدہ، دیوارِ گلستان، دیوانِ حشر، ذرّۂ گردِ بیاباں، ذکرِ بتاں، ذوقِ شکار، ذوقِ جراحت، ذوقِ خدنگ، رازِ محبت، راہِ وصال و ہجراں، راہِ وفا، رخصتِ جنبشِ لب، رخصتِ صیاد، رخنۂ دیوار، رخِ عرق آلودِ یار، رسمِ قلمروِ عشق، رشتۂ الفت، رشحاتِ بلداں، رشکِ باغ، رشکِ تنگ پوشی، رشکِ چمن، رشکِ عقیقِ یمنی، رشکِ گل، رشکِ گلستاں، رشکِ ماہ، رشکِ یاسمن، رشتۂ زنّار، رفتنِ رنگیں، رفتۂ بسیار گو، راگِ رنگِ پریدہ، رنگِ حنا، رنگِ رفتہ، رنگِ شکستہ، رنگِ گل و یاسمن، رنگِ گل، روز گارِ غریباں، روزِ جنگ، روزِ روشن، روزِ شمار، روزِ قیامت، روے آتشیں، روے خنداں، روے دل فروز، روے عرق فشاں، رہروانِ راہنما، رہروِ سرِ پُل، رہزنِ دیں، ریزۂ الماس، ریشِ قاضی، ریگِ رواں، زبانِ نوحہ گر، زخمِ دل، زخمِ سینہ، زخمِ کہن، زخمِ ناخن، زِ داغِ گل، زلفِ مسلسل، زلفِ مشک بو، زمزمۂ صبحِ فصلِ گل، زمینِ تفتہ، زنجیرِ پا، زیرِ تاک، زیرِ شمشیرِ ستم، زیرِ غبار، سایہ روِ زلفِ بتاں، سایۂ دیوار، سایۂ گل، سایۂ مژگان، سببِ شور و شر، سبحہ گرداں، سبزانِ تازہ رو، سبزۂ بیگانہ، سبزۂ لبِ جُو، سبزۂ نودمیدہ، ستم کشتۂ محبت، سجادۂ بے تہ، سحرِ چشم، سر نشینِ رہِ میخانہ، سرشکِ سرخ، سرشکِ یاس، سرمایۂ توکل، سرمایۂ دوزخ، سرمایۂ صد آفت، سرِ پر شور، سر نوشتِ زبوں، سرِ حرف، سرِ شوریدہ، سرِ خار، سرِ گلستانِ شکستِ رنگ، سر نشینِ رہ میخانہ، سعیِ طوفِ حرم، سمندِ ناز، سنگِ سخت، سنگِ گرانِ عشق، سوداے جستجو، سوداے عشق، سودۂ دل ہاے نالاں، سوزشِ دل، سوزِ جگر، سوزِ دروں، سوزِ دل، سیرِ سرِ کوچہ و بازار، سیرِ گلشن، سیلِ حوادث، سینۂ چاک، سینۂ سوزاں، سیہ مستِ سرِ زلفِ صنم، سیہ مستِ ناز، شاخِ گل، شامِ شبِ وصال، شبِ تیرہ روز گاراں، شبِ رفتہ، شبِ فراق، شبِ ماتم، شرابِ پر تگالی، شرابِ عیش، شرمندۂ اثر، شرمندۂ یک گوشۂ دستار، شعلۂ آواز، شعلۂ آہ، شعلۂ پُر پیچ و تاب، شکارِ خستہ، شکارِ میدہ نمِ بسمل، شکرِ نعمت، شکوۂ آبلہ، شمعِ اخیرِ شب، شمعِ بزمِ عاشق، شمعِ حرم، شمعِ روشن، شمعِ صبح گاہی، شورِ نشور، شورِ بے تاثیر، شورِ حشر، شورِ درا، شورِ قلقل، شورِ محشر، شورِ نوحہ، شوقِ قامت، شہرِ کنعاں، شہرِ ناپرساں، شہرتِ شیریں، شہرۂ عالم، شہرِ خوبی، شہرِ دل، شہیدِ نازِ خوباں، شہیدِ ناز، شہیدانِ عشق، شیخِ حرم، شیشۂ دل، صحبتِ احباب، صحبتِ شوخ، صحراے محبت، صحنِ چمن، صد خانماں خراب، صد رگِ جاں، صد گنجِ شہیداں، صد موسمِ گل، صد نالۂ جاں کاہ، صد نشترِ مژگاں، صد نالۂ جاں کاہ، صرفِ سجودِ درِ بتاں، صفحۂ خاطر، صفحۂ ہستی، صفیرِ بلبل، صورتِ آدم، صید گاہِ عشق، صیدِ بسمل، صیدِ بے جاں، صیدِ رمیدہ، صیدِ زبوں، صیدِ ناتواں، ضدِ دید، ضبطِ

گریہ، طاقتِ فریاد، طاقِ بلند، طالعِ نارسا، طائرِ پُر بریدہ، طائرِ رنگِ حنا، طائرِ سدرہ، طبعِ رواں، طبعِ روشن، طپیدنِ شب، طرزِ نگاہ، طفلِ بدخو، طفلِ خوش ظاہر، طلسمِ جہاں، عالمِ ایجاد، عالمِ مرگ، عجزِ عشق، عذرِ گناہِ خوباں، عرصۂ محشر، عرقِ انفعال، عرقِ شرم، عریانیِ آشفتہ ، عشرتِ دنیا، عشقِ خوباں، عمرِ عزیز، عہدِ وفائے گل، غارتِ گلشن، غافلانِ دیر، غبارِ دیدۂ پروانہ، غبارِ ضعیف، غبارِ میر، غبارِ ناتواں، غرورِ ناز، غزالِ دشت، غزالِ رمیدہ، غم ہائے فراواں، غمزۂ چشمِ خوش قدانِ زمیں، غمِ بسیار، غمِ تازہ نہالانِ چمن، غمِ عشقِ گل عذاراں، غمِ فرقتِ دل داراں، غمِ گل، غمِ ہجراں، غمِ ہجر، غنچۂ افسردہ، غنچۂ پژمردہ، غنچۂ تصویر، غنچۂ دیر چیدہ، غنچۂ لالہ، غوغائے قیامت، غیرتِ خورشید، غیرتِ مہِ صاف، غیرتِ گلزار، فتنۂ آسمان، فتنۂ روزگار، فتنۂ زمانہ، فرصتِ خواب، فرصتِ عیش، فروغِ بزم، فروغِ حسن، فشارِ گریباں، فصلِ خزاں، فکرِ روزگار، فوجِ غم، قابلِ ارشاد، قابلِ آغوشِ ستم دیدگاں، قابلِ دیدار، قابلِ زنجیر، قدِ خمیدہ، قدرِ ہفت آسمانِ ظلم شعار، قرصِ خورشید، قصدِ شور و فساد، قصدِ طریقِ عشق، قصۂ جاں کاہ، قطرۂ اشک، قطرۂ خوں، قطعِ ربطِ زلفِ خم در خم، (میر اس پر قطعِ ربطِ زلف خم در خم کروں / دیوان اوّل / ص:۲۹۵) ، قطعِ طریق، قربان گہِ وفا، قفسِ تنگ، قیدِ جیب، قیدِ حیات، قیدِ قفس، قیمتِ فردوس، کاروانِ لختِ دل، کارواں گاہِ دل کش، کارِ شکایت، کارِ وفا، کاسۂ چشم، کاسۂ سر، کاسۂ طنبور، کثرتِ داغ، کحلِ جواہر، کشتگانِ عشق، کشتۂ ستم، کشتۂ شمشیر، کشتۂ منتِ وفا، کشتۂ ناز، کشتۂ وفا، کشورِ عشق، کشندۂ عالم، کفِ پائے صید بنداں، کفِ جاناں، کفِ خاک، کفِ رنگیں، کنجِ قفس، کنجِ مزار، کوچۂ دلدار، کوچۂ رسوائی، کوے محبت، گامِ اوّلیں، گدازِ عشق، گدائے کوے محبت، گذارِ خوش نگاہاں، گردشِ ایام، گردشِ ساغر، گردشِ گردونِ گرداں، گردنِ شیشہ، گردنِ مینائے شراب، گردونِ تنک حوصلہ، گردِ راہ، گردِ کارواں، گردِ محمل، گریۂ آدم، گریۂ خونیں، گل چینِ عیش، گل گشتِ باغ، گل نازک، گل ہائے باغ، گلشنِ جہاں، گورِ غریباں، گوشۂ چمن، گوشۂ داماں، گوشۂ مزار، گوشِ گل، گوشِ مروّت، گوہرِ خوش آب، گوہرِ گرامی، گوہرِ مقصد، گوہرِ یک دانہ، گیسوے مشک بو، لبِ بام، لبِ جاں بخش، لبِ خنداں، لبِ گفتار، لبِ مے گوں، لباسِ سوگواراں، لباسِ فقر، لباسِ مردِ میداں، لبریزِ اشک، لختِ جگر، لختِ دل، لذتِ شہر، لطفِ قبائے تنگ، لغزشِ مستانہ، لکۂ ابر، ماتم خانۂ عالم، ماتمِ آسائشِ غفراں پناہی، ماتمِ فرہاد، مالکانِ روزِ جزا، مانعِ نشو و نما، مانندِ نقشِ پا، مانندِ ابر، مانندِ شمع، مانندِ طیرِ نوپر، مانندِ ماہِ نو، مانندِ نقشِ پا، مائلِ آزار، مائلِ آئینہ، ماہِ چاردہ، متاعِ دل، مجلسِ آفاق، مجلسِ مشتاقاں، مجمعِ ترکاں، محضرِ خونیں، محملِ لیلیٰ، مذہبِ عشق، مردمانِ شہر، مردنِ دشوار، مردنِ دشوار رفتگاں، مرضِ عشقِ جاں گداز، ، مرضِ عشق، مرغانِ گرفتارِ چمن، مرغِ چمن، مرغِ روح، مرغِ سیر آہنگ، مرغِ قفس، مرغِ گرفتار، مرگِ مجنوں، مزاجِ کرخت، مزارِ گریباں، مژگانِ چشمِ تر، مژۂ یار، مستِ شراب، مستِ ناز، مستظہرِ محبت، مسلکِ الفت، مشتِ خاک، مشتِ غبار، مشتِ نمک، مشتاقِ سنگ، مصطبۂ بے خودی، معمورۂ جہاں، مقامہ خانۂ آفاق، ممتحنِ باغ، منبعِ طوفاں، منتظرِ روزِ جزا، منزلِ سینہ، موجبِ وحشت، موجِ بحر، موجِ ہوا، موسمِ گل، مونسِ تنہائی، مونسِ ہجراں، موے زلف، مہِ چاردہ، مہرِ قاتل، میلانِ دلربا، مینائے خالی، مُردنِ دشوار، ناخنِ شوق، نخچیر گاہِ عشق، نازنتانِ سادہ، نازِ حسن، ناسزائے خوں، نالہ ہائے حزیں، نالۂ جرس، نالۂ شب، نالۂ عندلیب، نالۂ قیدِ قفس، نمکِ مرغ کباب، ناموسِ دوستی، ناواقفِ شادی، ناوکِ بے خطا، نخلِ صنوبر، نخلِ ماتم، نسیمِ مصر، نشانِ مزار، نعرۂ

مستانہ، نفسِ بازپسیں، نقابِ رخ شورِ مستی، نقشِ پا، نقشِ شیریں، نقشِ قدم، نکتہ دانانِ رفتہ، نگاہ آشنا، نگاہ مست، نگاہِ یاس، نمد پوشانِ الفت، نمودِ شبنم، نمونۂ یوم الحساب، ننگِ ہستی، نوگر فتارِ دامِ زلف، نہادِ وادیِ مجنوں، نیازِ عشق، نیرنگِ قضا، نیشِ فراق، نیم کشتۂ یاس، وادیِ مجنوں، ورطۂ غم، وصفِ خط و خال، وضعِ ستم، وضعِ کشیدہ، وعدۂ دیدار، وفائے بلبل، وقتِ اخیر، وقتِ خوش، وقتِ رحلت، وقتِ شکیبِ خویش، ویرانۂ کہن، ہجومِ غم عشق، ہستیِ موہوم، ہم چشمِ عزیزاں، ہنگامۂ شرحِ غم، ہنگامۂ قیامت، یاد گارِ کوہ کن، یارانِ شادماں، یک حرفِ نیم گفتہ، یک شعلۂ پُرپیچ و تاب، یک قطرۂ خوں، یمنِ قدم، یمنِ محبت، (ہو وہ سیہ مستِ سرِ زلفِ صنم معذور رکھ۔ دیوان اوّل / ص:۲۹۴)، گذشتہ صفحات میں فارسی الفاظ و تراکیب کی جو فہرست پیش کی گئی ہے اور جن اشعار میں یہ تراکیب استعمال ہوئی ہیں ان کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلامِ میر کا تمام تر حسن اور معنی آفرینی کا سارادارومدار فارسی الفاظ و تراکیب کے فنی استعمال پر ہی منحصر ہے اور میرؔ کی بہت سی تراکیب نے اردو غزل کے کلیدی الفاظ کی جگہ لے لی ہے۔ میرؔ سے پہلے کے شعرا (قلی قطب شاہ، ولی، سراج، فائز، آبرو وغیرہ) کے یہاں ایسی نادر تراکیب اتنی کثیر تعداد میں شاید ہی دیکھنے کو مل سکیں گی۔ اسلوبِ میر کے اس وصف خاص کا ذکر آل احمد سرور، گوپی چند نارنگ اور دیگر کئی نقادوں نے بھی کیا ہے، مثال کے طور پر یہ اقتباسات دیکھیے۔

(۱) سرور صاحب لکھتے ہیں:

"میر کے یہاں ہندی بول چال کی بنیاد پر فارسی تراکیب کا خوش نما محل ہے مگر پوری تعمیر میں اجزا کی موزونیت اور ہم آہنگی کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔۔۔ فارسی تراکیب کے استعمال کے باوجود میر کبھی ثقیل نہیں ہوتے۔ ان کے لہجہ کی خوش آہنگی اور شیرینی کبھی ماند نہیں پڑتی۔ ان کے یہاں اضافتوں کے پہاڑ بھی روئی کے گالے معلوم ہوتے ہیں۔" ۱۹؎

(۲) پروفیسر گوپی چند نارنگ کے بقول:

"میر کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے پوری اردو کے ادبی حسن کو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ آشکار کیا۔ ٹھیٹھ بول چال کی زبان سے انھوں نے شاعری کی زبان وضع کی اور فارسی تراکیب کی خوش آہنگ آمیزش سے ایمائی اظہار کی ایسی ایسی رفعتوں تک ایک نوزائیدہ زبان کو پہنچا دیا کہ شاید و باید۔" ۲۰؎

(۳) دانش نامۂ ادب فارسی میں مذکور ہے کہ:

"غزلِ میر در زبان و بیان نیز شایانِ توجہ است، زیرا با آن کہ زبانِ او زبانِ روزمرۂ دہلی است و تحت تاثیر زبان فارسی نیست، لیکن الفاظ و ترکیباتِ فارسی در شعرِ او فراوان است و چنان با کیفیات و روحِ زبان اردو آمیختہ و ہمساز گردیدہ است کہ حالت بیگانگی در آن مشاہدہ نمی شود، و از این رو شعرِ او خالصتاً اردو است۔" ۲۱؎

ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی ذرا دبی زبان سے ہی سہی لیکن یہ اعتراف کیا ہے کہ:

"(میر کے) دیوانِ اوّل میں فارسی تراکیب خاصی بڑی تعداد میں نظر آتی ہیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد کم سے کم تر ہوتی دیوانِ ششم میں بہت کم ہو جاتی ہے۔ اب میر ان تراکیب کے بغیر اپنی بات کہنے پر پوری طرح قادر ہو گئے ہیں، لیکن یہ فارسی تراکیب جس طور پر میر کے شعر میں آئی ہیں، اردو اسلوب کا حصہ بن کر آئی ہیں۔"۲۲؎

یہ تو صحیح ہے کہ میرؔ نے بول چال کی زبان میں فارسی الفاظ و تراکیب کی خوش آہنگ آمیزش کر کے اردو کا معیار متعین کیا لیکن پھر وہی بات آتی ہے کہ کیا فارسی سے بے نیاز رہتے ہوئے زبانِ اردو کو ایسی بلندیوں تک پہنچایا جا سکتا تھا!

میرؔ نے جو فارسی تراکیب استعمال کی ہیں وہ غالب اور اقبال کے کلام میں بھی دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ میرؔ کی فارسی تراکیب میں اضافت کی تمام علامتیں (کسرہ، ہمزہ، ے، از، ب وغیرہ) برتی گئی ہیں مثلاً:

بغیر از چہرۂ مہتابیِ یار		ہمارے منھ پہ چھوٹے ہے ہوائی (دیوانِ سوم۔ ص:۶۴۹)
ہنگامہ گرم کن جو دلِ ناصبور تھا		پیدا ہر ایک نالے سے شورِ نشور تھا (دیوانِ اوّل۔ ص:۱۸۳)
کچھ نہ دیکھا پھر بجز یک شعلۂ پرپیچ و تاب		شمع تک تو ہم نے دیکھا تھا کہ پروانہ گیا

اسی طرح میرؔ نے اضافتوں کی جملہ اقسام کا استعمال بھی خوب کیا ہے۔ محولہ بالا اشعار میں ہی اضافتِ مستوی (جس میں مضاف پہلے اور مضاف الیہ بعد میں ہو اور مضاف مسکور ہو) کی مثالیں بھی "دلِ ناصبور" اور "شورِ نشور" جیسی تراکیب میں مل جائیں گی۔ اب اضافتِ مقلوبی (مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں اور کسرۂ اضافت محذوف ہو) کی مثالیں بھی دیکھیے:

ع گل برگ کا یہ رنگ ہے، مرجاں کا ایسا ڈھنگ ہے (دیوانِ اوّل۔ ص:۱۹۰)
("برگِ گل" کی جگہ "گل برگ")

ع سرمگیں چشم پہ اس شوخ کی زنہار نہ جا (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۴۸)
("چشمِ سرمگیں" کے بجائے "سرمگیں چشم")

ع ستم شریک تر اناز ہے زمانے کا (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۱۷)
("شریکِ ستمؔ کے بجائے "ستم شریک")

ع برگشتہ بخت دیکھ کہ قاصد سفر سے میں

(’’بختِ برگشتہ ‘‘ کی جگہ ’’برگشتہ بخت‘‘)

میرؔ کبھی ایک ہی شعر کے ایک مصرعے میں اضافتِ مستوی اور دوسرے مصرعے میں اضافتِ مقلوبی استعمال کرتے ہیں مثلاً :

میرؔ آوارۂ عالم جو سنا ہے تو نے		خاک آلودہ وہ اے بادِصبا میں ہی ہوں (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۸۸)

فکِ اضافت کی مثالیں بھی کلامِ میر میں موجود ہیں مثلاً :

ع دل کہ یک قطرہ خوں نہیں ہے بیش (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۱۴)

برسوں لگی رہی ہیں جب مہر و مہ کی آنکھیں		تب کوئی ہم سا صاحب، صاحب نظر بنے ہے
ہو طرف مجھ پہلواں شاعر کا کب عاجز سخن		سامنے ہونے کو صاحب فن کے قدرت چاہیے

میرؔ کا کمال یہ بھی ہے کہ ان کے یہاں مرکب اضافی (مضاف اور مضاف الیہ کا مجموعہ) میں الفاظ کی تعداد دو سے تجاوز کر کے تین اور چار تک پہنچ جاتی ہے اور کبھی کبھی تو وہ اسی ترکیب سے پورا ایک مصرع بنا لیتے ہیں مثلاً:

قابلِ آغوشِ ستم دیدگاں		اشک سا پاکیزہ گہر چاہیے (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۵۶)
رہروِ راہِ خوفناکِ عشق		چاہیے پاؤں کو سنبھال رکھے (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۷۶)
رو آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ تھا		بے چارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۲۶)
چشمِ کم سے دیکھ مت قمری تو اس خوش قد کو ٹک		آہ بھی سروِ گلستانِ شکستِ رنگ ہے (دیوانِ اوّل۔ ص:۴۰۰)

میرؔ کی یہ تمام خوش ترکیبی فارسی زبان سے ان کے خاص شغف کی بنا پر ہے۔ فارسی کی نادر تراکیب کے استعمال کے علاوہ میرؔ نے جا بجا فارسی محاوروں کو بھی بڑی خوبصورتی سے اپنے کلام کا حصہ بنا لیا ہے۔ اس کی دو صورتیں ان کے یہاں موجود ہیں: (الف) فارسی محاوروں کو جوں کا توں استعمال کیا ہے (ب) فارسی محاوروں کو اردو میں ترجمہ کر کے استعمال کیا ہے۔ اوّل الذکر صورت کی یہ چند مثالیں دیکھیے:

از خویش رفتن:

از خویش رفتہ ہر دم فکر وصال میں ہوں		کتنا میں کھویا جاؤں یارب کہ تجھ کو پاؤں (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۸۲)

چشم پوشیدن:

چشم پوسی کا مری جان تمہیں لپکا ہے		کھاتے ہو دیدہ درائی سے قسم کاہے کو (دیوانِ سوم۔ ص:۶۳۴)

واشدن:

پژمردہ اس کلی کے تئیں واشدن سے کیا		آ ِ سحر نے دل پہ عجب التفات کی (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۵۰)

اب یہ اشعار بھی دیکھیے جن میں میرؔ نے فارسی محاوروں کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے :

دست و پاگم کردن:

دست و پا گم کیے ہیں تو نے میرؔ		پیری بے طاقتی سے پیدا ہے (دیوانِ دوم۔ ص:۵۶۱)

تصدیع کشیدن:

آخر دکھائی عشق نے چھاتی فگار کر		تصدیع کھینچی ہم نے یہ کام اختیار کر (دیوانِ دوم۔ ص:۴۷۶) تڑپے جگر ہمیشہ چھاتی جلے ہمیشہ (دیوانِ دوم۔ ص:۵۲۷)

زیروزبر شدن:

جہاں میرؔ زیرو زبر ہوگیا		خراماں ہوا تھا وہ محشر خرام (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۸۰)

گوش داشتن:

نالے کا آج دل سے پھر لب تلک گزر ہے		ٹک گوش رکھیو ایدھر ساتھ اس کے کچھ خبر ہے (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۷۴)

کارد بہ استخواں رسیدن:

بہ بھی گیا بدن کا سب گوشت ہو کے پانی		اب کارد اے عزیزاں پہنچی ہے استخواں تک (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۷۱)

پشتِ چشم نازک کردن : (غمزہ و اداد کھانا)

کرنے لگا پشتِ چشم نازک		سوتے سے اٹھا جو چونک کر رات (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۴۵)

در گیر شدن: موافق آنا، راس آنا۔

صحبت در گیر آگے اس کے پیر گھڑی ساعت نہ ہوئی		جب آئے ہیں گھر سے اس کے تب آئے ہیں اکثر داغ (دیوانِ پنجم۔ ص: ۷۷۲)

ان مثالوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ میرؔ نے بہت سی فارسی تراکیب کے استعمال کے علاوہ محاوروں کا اردو میں ترجمہ کرکے زبان کو وسعت عطا کی۔ اب فارسی ضرب الامثال کے استعمال کی چند مثالیں بھی دیکھیے:

عذرِگناہ بدتر از گناہ :

عذرِ گناہِ خوباں بدتر گنہ سے ہوگا		کرتے ہوئے تلافی بے لطف تر کریں گے (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۵۸)

دستِ زور بالا است :

نیازِ ناتواں کیا ناز سروِ قد سے برآوے		مثل مشہور ہے یہ تو کہ دستِ زور بالا ہے (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۶۸)

یک انار و صد بیمار:

چاکِ دل پر ہیں چشم صد خوباں		کیا کروں یک انار و صد بیمار (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۵۶)

براتِ آہواں بر شاخِ آہو: (برات بر شاخ آہو236 جھوٹا وعدہ)

لکھے ہے کچھ تو کج کر چشم و ابرو		براتِ عاشقاں برشاخِ آہو (دیوانِ ششم۔ ص:۸۵۰)

غم نداری بز بخر:

کہتے ہیں جو غم نداری بز بخر		سو ہی لی میں ایک بکری ڈھونڈھ کر (کلیات میر، ج:۲۔ ص:۳۳۳)

برگِ سبز است تحفۂ درویش : (اس فقیر کا تحفہ تو سبز پتّا یعنی معمولی چیز ہی ہے)

پان تو لیتا جا فقیروں کے		برگِ سبز است تحفۂ درویش (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۶۷)

فارسی الفاظ، تراکیب، اصطلاحات اور محاورات کا استعمال میرؔ کے یہاں اس اہتمام کے ساتھ ہوا ہے کہ ان کی غزلوں کے بہت سے الفاظ متداول اردو لغات میں نہیں ملتے۔" فرہنگ کلیاتِ میر " کے مرتب ڈاکٹر فرید احمد برکاتی (آفسیٹ پریس گورکھ پور، ۱۹۸۸ء) نے بھی اس سلسلے میں اپنی بعض نارسائیوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں اس امر کی نشان دہی بھی ضروری محسوس ہوتی ہے کہ میرؔ کے یہاں جن فارسی الفاظ و تراکیب کا استعمال ہوا ہے ان میں معتدبہ حصہ ایسے الفاظ کا بھی ہے جو صرف سراج الدین علی خاں کی لغت "چراغِ ہدایت" (زمانۂ تالیف: ۱۱۵۷ھ / ۱۷۴۴ء) اور ۱۱۶۰ھ / ۱۱۴۷ھ کے درمیان) میں ہی ملتے ہیں۔ یہ جدید فارسی الفاظ و محاورات پر مشتمل لغت ہے جس میں عہدِ صفوی کے شعرا کے یہاں استعمال کیے گئے الفاظ و اصطلاحات کو جمع کر دیا ہے تاکہ ہندوستان کے فارسی گو شعرا ان الفاظ سے واقف ہو کر انھیں اپنے کلام میں استعمال کریں۔ میرؔ نے تقریباً اپنی تمام تصانیف نظم و نثر میں اس لغت سے استفادہ کیا ہے۔ اس کا ایک واضح ثبوت ڈاکٹر عبدالرشید نے "فرہنگ کلام میر" (چراغِ ہدایت کی روشنی میں) مرتب کر کے فراہم کر دیا ہے۔ مذکورہ فرہنگ کے مرتب نے لکھا ہے کہ انھوں نے:

> "۔۔۔ کلامِ میر کے تقریباً پونے چھ سو الفاظ، تراکیب اور محاورات کی نشان دہی کی ہے جن میں چراغ ہدایت کے مندرجات کا استعمال ملتا ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو کلاسیکی فارسی میں مستعمل رہے ہیں۔"۲۳۔

اس فرہنگ میں چراغ ہدایت کے الفاظ کا اندراج کر کے ان کے معانی کی وضاحت کے ساتھ ساتھ میرؔ کے اشعار سے جس قدر مثالیں پیش کی گئی ہیں ان کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کلام میر پر اس لغت کی بھی چھاپ نظر آتی ہے، اسی لیے ڈاکٹر عبدالرشید کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ:

> "۔۔۔ چراغ ہدایت کی روشنی میں میرؔ کی شاعری کے کچھ حصوں کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور جتنی مدد اس فرہنگ سے مل سکتی ہے، شاید کسی اور لغت سے نہیں مل سکتی۔۔۔ کلام میر کی باریکیوں تک پہنچنے کے لیے چراغ ہدایت اگرچہ ناگزیر تو نہیں لیکن بہر حال ایک اہم ذریعہ ہے۔۔۔"۲۴۔

"چراغِ ہدایت" جیسی لغت کے مشکل الفاظ کے استعمال کی مثالیں میرؔ کی غزلوں سے ڈاکٹر عبدالرشید نے اپنی فرہنگ میں پیش کر دی ہیں۔ آیئے اب میرؔ کے کچھ اور اشعار / مصرعے بھی دیکھتے چلیں جن میں فارسی الفاظ کا بکثرت استعمال ہوا ہے اور یہ سلسلہ دیوانِ اوّل سے دیوانِ ششم تک تواتر کے ساتھ جاری رہا:

سینہ بے چاک، جگر پارہ ہے، دل سب خوں ہے		تس پہ یہ جان بلب آمدہ بھی محزوں ہے (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۸۷)
پیراہنِ صد چاک سلاتے ہیں مرا لوگ		تہ سے نہیں مطلق خبر ان بے خبروں کو (دیوانِ دوم۔ ص:۵۲۴)
خزاں کی باؤ سے حضرت میں گلشن کے تطاول تھا		تبرک ہوگئے یک دست خارِ آشیاں میرے (دیوانِ دوم۔ ص:۵۴۰)
کی شست و شو بدن کی جس دن بہت سی ان نے		دھوئے تھے ہاتھ میں نے اس دن ہی اپنی جاں سے (دیوانِ دوم۔ ص:۵۴۱)
عرصۂ دشتِ قیامت باغ ہوجائے گا سب		اس طرح سے جو یہ چشمِ خوں فشاں میں لے گیا (دیوانِ سوم۔ ص:۵۷۵)
طنز و تعریضِ بتانِ بے وفا کے در جواب		میں بھی کچھ کہتا خدا سے اپنے ڈرکر رہ گیا (دیوانِ سوم۔ ص:۵۸۵)
مت اس چمن میں غنچہ روش بود و باش کر		مانند گل شگفتہ جبیں یاں معاش کر (دیوانِ چہارم۔ ص:۶۸۹)
خندہ بجائے گریہ و اندوہ و آہ کر		ماتم کدے کو دہر کے تو عیش گاہ کر (دیوانِ پنجم۔ ص:۷۶۳)
صیدِ زبوں میں میرے یک قطرہ خوں نہ نکلا		خنجر تلے بہا میں خجلت سے آب ہوکر (دیوانِ پنجم۔ ص:۷۶۳)
غریبِ شہرِ خوباں ہوں مرا کچھ حال مت پوچھو		ہوا جی زلف و کاکل کے لیے جنجال مت پوچھو (دیوانِ سوم۔ ص:۶۳۵)
تھی چشم داشت مجھ کو اے دلبراں یہ تم سے		دل کو مرے اڑا کر آنکھوں میں گھر کرو تم (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۷۸)

مذکورہ بالا مثالیں کلامِ میر پر فارسی اثرات کی نشان دہی کے لیے کافی ہیں۔ اسی طرح ردیف و قوافی کے الفاظ کی سطح پر بھی میرؔ کے کلام میں فارسی زبان کا اثر دیکھا جاسکتا ہے مثلاً فارسی الفاظ والی درج ذیل کی طرح کی ردیفیں کافی موجود ہیں دیکھیے:

اندوہ سے ہوئی نہ رہائی تمام شب		مجھ دل زدہ کو نیند نہ آئی تمام شب (دیوانِ دوم۔ ص:۴۵۷)
شبنم سے کچھ نہیں ہے گل و یاسمن میں آب		دیکھ اس کو بھر بھر آوے ہے سب کے دہن میں آب (دیوانِ دوم۔ ص:۴۵۸)
رہیے بغیر تیرے اے رشکِ ماہ تاچند		آنکھوں میں یوں ہماری عالم سیاہ تاچند (دیوانِ دوم۔ ص:۴۶۸)
زردیِ عشق سے ہے تنِ زار بدنمود		اب میں ہوں جیسے دیر کا بیمار بدنمود (دیوانِ چہارم۔ ص:۶۸۷)
غم کھنچا رائیگاں دریغ دریغ		ہم ہوئے خستہ جاں دریغ دریغ (دیوانِ پنجم: ۷۷۱)
ہم کو شہر سے اس مہ کے ہے عزمِ راہ دروغ دروغ		یہ حرکت تو ہم نہ کریں گے خانہ سیاہ دروغ دروغ (دیوانِ پنجم: ۷۷۲)

میرؔ نے بعض قوافی کے الفاظ فارسی قاعدے کے مطابق واحد سے جمع کی صورت میں بھی استعمال کیے ہیں مثلاً :

تو گلی میں اس کی آجا ولے اے صبا نہ چنداں
کہ گڑے ہوئے پھر اکھڑیں دلِ چاک دردمنداں

اس غزل میں نیازمنداں / خودپسنداں / صیدبنداں وغیرہ قوافی لائے گئے ہیں۔

مفرّس ردیفوں کے علاوہ مفرس قوافی کا اہتمام بھی میرؔ کی بعض غزلوں اور قصائد میں ہوا ہے۔ ان کا ستاون (۵۷) اشعار کا ایک قصیدہ "در مدح نواب آصف الدولہ بہادر" جس کا مطلع ہے:

ہوا کیے ہیں ز بس شکوۂ فلک تحریر
سیہ ہے کاغذِ مشقی کے رنگ لوحِ ضمیر

اس قصیدہ کے تمام قوافی مفرس ہیں مثلاً:

تقصیر / تعمیر / تاخیر / کاسۂ شیر / غنچۂ دل گیر / بے تاثیر / تصویر / تشہیر / پیر / صفیر / خانۂ زنجیر / شب گیر / سرتیر / اسیر / اخیر / تکفیر / خمیر / آستانِ وزیر / دشمن گیر / تعبیر / امرِ خطیر / دبیر / اثیر / مشیر / تسخیر / مطیر / تاج و سریر / عشر

عشیر / قلیل و کثیر / خط تقدیر / برائے حصیر / صریر / بدر منیر / شریر / شب قیر / صولتِ شمشیر / اندمال پذیر / تسطیر / آفتاب نظیر / سپہر مسیر / شکل پذیر / پرنیاں و حریر / اکسیر / فقیر / تدبیر۔

اس کے علاوہ میرؔ کی بہت ساری تشبیہیں بھی فارسی الفاظ پر مشتمل ہیں مثلاً :

ہستی اپنی حباب کی سی ہے		یہ نمایش سراب کی سی ہے
نازکی اس کے لب کی کیا کہیے		پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
جوں برق تیرے کوچے سے ہنستے نہیں گئے		مانندِ ابر جب اٹھے تب گریہ ناک ہم (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۷۹)

کلامِ میر پر فارسی کے اثرات کا مطالعہ ہم ان مضامین کی روشنی میں بھی کرسکتے ہیں جو میرؔ کے یہاں فارسی اساتذہ کے کلام سے استفادہ کی صورت میں آئے ہیں اور یہ بات میرؔ کے خلاف نہیں جاتی۔ اس سلسلے میں جناب شمس الرحمن فاروقی کا یہ قول بھی اہمیت کا حامل ہے:

”شعر سے شعر بنانا ہماری شعریات کا مسلّمہ اصول ہے۔ یہ استفادے کی ایک شکل اور مضمون آفرینی کا خاص وسیلہ تھا۔ آج کی زبان میں ہماری کلاسیکی شاعری کو بین المتونیت کی شاعری کہہ سکتے ہیں۔ صائب نے معاصرین کے شعروں سے استفادہ کرنے میں خاص کمال حاصل کیا تھا۔ کلیم ہمدانی خود بہت مضمون آفریں تھا لیکن اسے استفادے سے عار نہ تھی۔ انعام اللہ یقین اپنے مضمون الگ نکالنے کی سعی کرتے تھے لیکن میرؔ اور شاہ حاتم سے دامن نہ بچا سکے۔ میر اثر اور میر درد کے کلام میں حیرت انگیز مماثلت ہے۔ آتش، ناسخ، غالب، راسخ ان سب نے میر کے مضامین اپنائے ہیں۔۔۔ اس طرح کی باہمی ہم آہنگی ہماری کلاسیکی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس پر فخر کرنا چاہیے۔“۲۵؂

میرؔ نے نکات الشعرا میں دہلی کے ایک بزرگ اور شاعر سعد اللہ گلشن سے ولی کی ملاقات کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”۔۔ می گویند کہ (ولی) در شاہجہاں آباد دہلی نیز آمدہ بود۔ بخدمت میاں (شاہ) گلشن صاحب رفت و از اشعارِ خود پارۂ خواند۔ میاں صاحب فرمود (ندکہ) ایں ہمہ مضامین فارسی کہ بیکار افتادہ اند، در ریختہ (ہاے) خود بکار ببر از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت۔“۲۶؂

میرؔ کی بیان کردہ اس روایت پر بعض نقادوں نے شک و شبہ کا اظہار کیا ہے لیکن شاہ گلشن کے مشورے کا عملی ثبوت تو خود میرؔ کے کلام سے بھی فراہم کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے بھی فارسی کے اساتذہ شعرا طالب آملی، حافظ، فغانی، سراج الدین علی خاں آرزو، میر زا رضی دانش، نظیری، امیر خسرو اور سعدی وغیرہ کے کلام سے مضامین اخذ کرنے میں کوئی تکلف محسوس نہیں کیا اور اس لحاظ سے بھی میرؔ کے کلام

پر فارسی اثرات کا انداز لگایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر سطورِ ذیل میں داہنی جانب فارسی اساتذہ کے اشعار درج کیے گئے ہیں اور ان کے متوازی بائیں طرف میرؔ کے اشعار ہیں۔ ان مثالوں میں میرؔ کے بعض اشعار ایسے ہیں جن میں انھوں نے مضمون تو فارسی سے لیا ہے لیکن حسن بیان کے لحاظ سے ان کا اردو شعر فارسی سے بہت آگے نکل گیا ہے۔ ان اشعار کی نشان دہی راقم الحروف نے ”شعر شور انگیز“ کی مدد سے کی ہے اس لیے شمس الرحمن فاروقی صاحب کا شکریہ واجب ہے:

بستیم دل بہ عشق و سراپاے در گرفت یک جا زدیم آتش و صد جا بہ سوختیم (طالب آملی)		بدرساں اب آخر آخر چھاگئی مجھ پر یہ آگ ور نہ پہلے تھا مرا جوں ماہِ نو دامن جلا (دیوانِ اوّل۔ ص:۱۸۸)
سینہ ام ز آتشِ دل در غم جانا نہ بسوخت آتشے بود دریں خانہ کہ کاشانہ بسوخت (حافظ)		دل کے تیں آتشِ ہجراں سے بچایا نہ گیا گھر جلا سامنے پرہم سے بجھایا نہ گیا (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۰۸)
مشکل حکایتے ست کہ ہر ذرہ عین اوست اما نمی تواں کہ اشارت بد و کنند (فغانی)		پایا نہ یوں کہ کریے اس کی طرف اشارت یوں تو جہاں میں ہم نے اس کو کہاں نہ پایا (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۱٦) ہر مظہرے کہ می نگرم عین ظاہر است ہرگز نیامدم بہ نظر ماسوائے او
افتاد گیست مایۂ نشو و نماے من نخلم چو گرد باد ز خاک آب می خورد (سراج الدین علی خاں آرزو)		نشو و نما ہے اپنی چوں گرد باد انوکھی بالیدہ خاکِ رہ سے ہے یہ شجر ہمارا (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۲۱)
ہمہ چیز دارد دلآرام لیکن دریغا کہ با ما وفاے نہ دارد (حافظ)		رنگ اور بو تو دل کش و دلچسپ ہیں کمال لیکن ہزار حیف کہ گل میں وفا نہیں (دیوانِ دوم۔ ص:۵۱۲) ناز و انداز و ادا عشوہ و اغماض و حیا آب و گل میں ترے سب کچھ ہے، یہی پیار نہیں (دیوانِ سوم۔ ص:٦۲۲)

دل نیست کبوتر کہ چو برخواست نشیند ما از سرِ بامے کہ پریدیم پریدیم (وحشی بافقی)		مانند طیرِ نو پر اٹھے جہاں گئے ہم دشوار ہے ہمارا آنا پھر آشیاں تک (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۷۱) برنگِ طائرِ نو پر ہوئے آوارہ ہم اٹھ کر کہ پھر پائی نہ ہم نے راہ اپنے آشیانے کی (دیوانِ سوم۔ ص:۶۵۸)
برند بجاے پر و بالش سر و منقار مرغے کہ بلند از سرِ ایں شاخ نوا کرد (نظیری)		چھوٹتا کب ہے اسیر خوش زباں جیتے جی اپنی رہائی ہوچکی (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۳۷) چھوٹنا ممکن نہیں اپنا قفس کی قید سے مرغ سیر آہنگ کو کوئی رہا کرتا نہیں (دیوانِ اوّل۔ ص:۳۰۵)
		گر زمزمہ یہی ہے کوئی دن تو ہم صفیر اس فصل ہی میں ہم کو گرفتار دیکھنا (دیوانِ اوّل۔ ص:۲۲۹) میرؔ اے کاش زباں بند رکھا کرتے ہم صبح کے بولنے نے ہم کو گرفتار کیا (دیوانِ دوم۔ ص:۴۵۱) اسیری کا دیتا ہے مژدہ مجھے مرا زمزمہ گاہ و بیگاہ کا (دیوانِ سوم۔ ص:۵۷۸) خوش زمزمہ طیور ہی ہوتے ہیں میرؔ اسیر ہم پرستم یہ صبح کی فریاد سے ہوا (دیوانِ چہارم۔ ص:۶۷۷) زباں سے ہماری ہے صیاد خوش ہمیں اب امیدِ رہائی نہیں (دیوانِ چہارم۔ ص:۷۰۸)

		رہائی اپنی ہے دشوار کب صیاد چھوڑے ہے اسیر دام ہو طائر جو خوش آواز آتا ہے (دیوانِ پنجم۔ص:۷۹۹)
من نمی دانم کہ دل می سوزد از غم یا جگر آتش افتاد است در جامے و دودے می کند (سائر مشہدی)		کیا جانیے کہ چھاتی جلے ہے کہ داغِ دل اک آگ سی لگی ہے کہیں کچھ دھواں سا ہے (دیوانِ دوم۔ص:۵۵۹)
ہرکسے بر روزِ قتلم بوسہ زد بردستِ تو از سرِ جاں من گذشتم نقش را یاراں زدند (سید حسین خالص)		قتل گہ میں دست بوس اس کا کریں فی الفور لوگ ہم کھڑے تلواریں کھاویں نقش ماریں اور لوگ (دیوانِ سوم۔ص:۶۱۰)
پاسِ ناموسِ ہنرمندیِ فرہادم بود در رہِ عشق اگر دست بہ کارے نہ زدم (شیخ علی حزیں)		کوہ کن و مجنوں کی خاطر دشت و کوہ میں ہم نہ گئے عشق میں ہم کو میرؔ نہایت پاسِ عزت داراں ہے (دیوانِ چہارم۔ص:۷۲۶)
اے گل صفتِ حسنت بروجہ حسن گویم سرتابہ قدم جانی کفرست کہ تن گویم (امیر خسرو)		لطف اس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو کیا جانیے جان ہے کہ تن ہے (دیوانِ دوم۔ص:۵۶۵) کیا تنِ نازک ہے جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہے کیا بدن کا رنگ ہے تہ جس کی پیراہن پہ ہے (دیوانِ دوم۔ص:۵۶۶) تنگیِ جامہ ظلم ہے اے باعثِ حیات پاتے ہیں لطف جان کا ہم تیرے تن کے بیچ (دیوانِ سوم۔ص:۵۹۸) نازک بدن ہے کتنا وہ شوخ چشم دلبر جان اس کے تن کے آگے آتی نہیں نظر میں (دیوانِ ششم۔ص:۸۴۵)
ما و مجنوں ہم سبق بودیم اندر راہِ عشق او بہ صحرا رفت و مادر کوچہ ہا رسوا شدیم		برسوں میں اقلیم جنوں سے دو دیوانے نکلے تھے میر آوارۂ شہر ہوا ہے قیس ہوا ہے بیاباں گرد (دیوانِ پنجم۔ص:۷۵۷)

زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمی دانم چہ خوش بودے اگر بودے زبانش دردہانِ من (امیر خسرو)		کشتہ ہوں میں تو شیریں زبانیِ یار کا اے کاش وہ زبان ہو میرے دہن کے بیچ (دیوانِ سوم۔ص:۵۹۸) کیا شیریں ہے حرف و حکایت حسرت ہم کو آتی ہے ہائے زبان اپنی بھی ہووے یک دم اس کے دہن کے بیچ (دیوانِ پنجم۔ص:۷۵۵)
دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بہ تو دادم باید اوّل بہ تو گفتن کہ چنیں خوب چرائی (سعدی)		پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ ان سے بھی تو پوچھیے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے (دیوانِ اوّل۔ص:۳۷۷)

کلامِ میر پر فارسی کے اثرات سے متعلق اب تک کی تقریباً ساری گفتگو میرؔ کی غزلوں کے حوالے (کلیاتِ میر، جلد اوّل) سے تھی لیکن قصیدہ، مثنوی اور دیگر اصناف میں بھی میرؔ کے یہاں فارسی کا اثر اسی طرح نمایاں ہے۔اس سلسلے میں ”کلیاتِ میر، جلد دوم “ (مشتمل بر: قصیدہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ) ملاحظہ ہوں۔

مثالوں سے گریز کرتے ہوئے یہاں صرف یہ اشارہ کافی ہے کہ غزلیاتِ میر کی طرح ان کی دیگر تخلیقات میں بھی فارسی کا وہی رنگ اور اسلوب نمایاں ہے۔نادر تشبیہات اور لمبی لمبی فارسی تراکیب ان کے قصیدوں اور مثنویوں میں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں مثلاً:

جوانِ ستم کشتہ سپہرِ پیر: (فلک کے شکوے میں تھا میں کہ ہم نشیں بولا228 کہ اے جوانِ ستم کشتۂ سپہرِ پیر) (ج:۲، ص:۱۵۷) رافِعانہ زنجیر وغیرہ۔اسی طرح فارسی آمیز مصرعے بھی جابہ جامیر کے قصیدوں میں موجود ہیں۔مثلاً :

ع دماغِ رفتہ شگفتن سے آشنا نہ ہوا (ج:۲،ص:۱۵۷)

ع برائے یک لبِ ناں مجھ ضعیف کو ان نے (ج:۲،ص:۱۵۷) وغیرہ

حاصلِ کلام کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ میرؔ کے تمام شعری سرمایے پر فارسی کا اثر اس قدر غالب ہے کہ ان کا کوئی بھی دیوان کہیں سے بھی کھول کر دیکھ لیجیے، فارسی الفاظ و تراکیب کے دلکش استعمال کی مثالیں ہر جگہ دیکھنے کو مل جائیں گی۔ یہ میرؔ کی ہنر مندی ہے کہ انھوں نے بول چال کی زبان پر فارسی کی پیوند کاری کر کے زبان ریختہ کو اسلوب و اظہار کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اسی لیے پروفیسر گوپی چند نارنگ نے لکھا ہے کہ:

”فارسی عنصر کا جذب و قبول میرؔ کی شاعری کا روشن پہلو ہے۔ “۲۷؎

حوالہ جات:

۱۔ نکات الشعرا۔ میر تقی میر، مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۲۰۰۳ء، ص:۲۳

۲۔ صفدر آہ، میر اور میریات، علوی بک ڈپو، بمبئی ۱۹۷۱ء، ص:۸۱

۳۔ دانش نامۂ ادب فارسی، جلد چہارم۔ بہ سرپرستی حسن انوشہ، تہران، وزارت فرہنگ وارشاد اسلام، سازمان چاپ وانتشارات ۱۳۷۵، ص ص:۱۳۱۲۔۱۳۱۳

۴۔ وحید الدین سلیم، عہدِ میر کی زبان۔ نقوش، لاہور، میر تقی میر نمبر ۲، نومبر ۱۹۸۰ء، ص:۴۹۴

۵۔ ڈاکٹر عبارت بریلوی، جہانِ میر (میر تقی میر کی ادبی و تنقیدی سوانح)۔ ادارۂ ادب و تنقید، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص:۶۳

۶۔ میر کی آپ بیتی، ص ص:۲۶۷۔۲۶۸

۷۔ نثار احمد فاروقی، میر کے استاد۔۔ سید سعادت علی۔ ماہنامہ "نئے چراغ" کھنڈوا (مدیر: مظفر حنفی، ھوی)، مارچ ۱۹۵۹ء، ص:۸۳

۸۔ ، نثار احمد فاروقی، میر اور سعادت علی۔ مشمولہ: تلاشِ میر۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، نومبر ۱۹۷۴ء، ص:۱۳۷۔۱۳۸

۹۔ "توقیتِ میر"۔ کالی داس گپتا رضا، مشمولہ: میر تقی میر۔ میر شناسی، منتخب مضامین، مرتبہ ڈاکٹر تحسین فراقی / ڈاکٹر عزیز ابن الحسن، نشریات، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۴۰

۱۰۔ صفدر آہ، میر اور میریات۔ علوی بک ڈپو، بمبئی، ۱۹۷۱ء، ص:۴۸

۱۱۔ مشفق خواجہ مرتبہ، تذکرہ خوش معرکہ زیبا۔ سعادت خاں ناصر۔ مجلس ترقی ادب لاہور، اپریل، ۱۹۷۰ء، ص:۱۳۹

۱۲۔ مثنوی "خواب و خیال" مشمولہ: کلیاتِ میر جلد دوم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۳ء، ص ص:۲۳۹۔۲۴۰، ص ص:۲۴۱۔۲۴۲

۱۳۔ نثار احمد فاروقی، میر کی آپ بیتی (ذکر میر کا اردو ترجمہ) مع فارسی متن۔ انجمن ترقی اردو ہند، نئی دلّی، ۱۹۹۶ء، ص ص:۲۶۵۔۲۶۶

۱۴۔ محولہ بالا۔ ص ص:۱۱۴۔۱۱۵

۱۵۔ جمیل جالبی ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، حصہ اوّل۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۴ء، ص:۵۰۹

۱۶۔ میر۔ قاضی عبدالودود۔ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۵ء، ص:۱۲۳

۱۷۔ محمود الٰہی ڈاکٹر مرتبہ، نکات الشعرا۔ میر تقی میر۔ اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۲۰۰۳ء، ص:۲۶

۱۸۔ گوپی چند نارنگ پروفیسر، اسلوبیاتِ میر۔، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، اشاعت سوم ۲۰۰۰ء، ص ص:۵۳۔۵۴

۱۹۔ میر کے مطالعے کی اہمیت۔ مشمولہ: مسرت سے بصیرت تک، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۴ء، ص ص ۲۶۔۲۷

۲۰۔ گوپی چند نارنگ پروفیسر، اسلوبیاتِ میر۔ ص:۸۴

۲۱۔ دانش نامۂ ادب فارسی، جلد چہارم، ص ص:۲۴۷۶۔۲۴۷۷

۲۲۔ جمیل جالبی ڈاکٹر، زبان کے سلسلے میں میر کی خدمات۔، مشمولہ: میر تقی میر، میر شناسی، منتخب مضامین، مرتبہ ڈاکٹر تحسین فراقی / ڈاکٹر عزیز ابن الحسن، نشریات، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۳۸۱

۲۳۔ عبدالرشید: تحقیق و ترتیب، فرہنگ کلام میر (چراغ ہدایت کی روشنی میں)۔، دلّی کتاب گھر، دہلی، ۲۰۰۸ء، ص:۲۹

۲۴۔ محولہ بالا۔ ص:۱۹

۲۵۔ شمس الرحمن فاروقی، شعر شور انگیز۔ ، ص:۱۸۶

۲۶۔ نکات الشعرا۔ ص:۹۱

۲۷۔ گوپی چند نارنگ پروفیسر، اسلوبیاتِ میر۔، ص:۵۹